فہمِ قرآن اور اتحادِ امّت

محمد اسلم اصلاحی

جملہ انسانی تگ وتاز کے پیچھے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جن کے حصول کے لئے مناسب وسائل اور ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ مقصد جتنا جلیل القدر ہوگا اس کے لئے ویسے ہی مہتم بالشان وسیلہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس حقیقت کی روشنی میں اگر ہم مفسر قرآن علامہ عبدالحمید الفراہی کے فلسفۂ نظم قرآن کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات صاف طور پر نظر آئے گی کہ علامہ موصوف کا قرآن کی آیات وسور کے باہمی ربط وارتباط پر زور دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ ملتِ بیضا کے مختلف دھڑوں کو منظم ومستحکم دیکھنا چاہتے تھے۔ اس عظیم الشان غرض وغایت کے حصول کے لئے ظاہر ہے کہ ایک صاحب ایمان کی نگاہ میں قرآن سے بڑھ کر اور کون سا وسیلہ ہو سکتا ہے خود اللہ تعالیٰ نے جہاں پراگندہ ذہن اور خود سر عربوں کے انتشار وانحلال کا تذکرہ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (آل عمران: ۱۰۳) کہہ کر کیا ہے وہیں فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا کہہ کر ان کے اتحاد واتفاق کے سلسلے میں قرآن کے غیر معمولی اہمیت کے حامل کردار کو بھی نمایاں کیا ہے اسی اتحاد واتفاق کی بازیابی کے لئے جب علامہ فراہیؒ نے قرآنی آیات پر تدبر وتفکر کی نگاہ ڈالی اور اس سلسلے میں گزشتہ تفسیری ذخائر کا بغور جائزہ لیا تو انھیں یہ ذخائر "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا" کی تفسیر نظر آئے۔ اس کثرت تعبیر کے وجوہ واسباب کا پتہ لگانے کے لئے انھوں نے جب تفحص وتحقیق کے میدان میں قدم رکھا تو انھیں یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ آیات بینات کے مفاہیم ومدلولات کی یہ اختلافی تعبیرات بالعموم نظم قرآن سے بے توجہی کا نتیجہ ہیں اور یہ نتیجہ ہیں۔ مفسرین کے اس عدم تفکر کا جسے انھوں نے آیات کے سیاق وسباق نیز ان

کے نظم وانضباط کے تعلق سے روا رکھا ہے اس صورت حال نے ایک طرف جہاں بعض لوگوں کے سامنے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کی راہیں ہموار کیں وہیں دوسری طرف اس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ مختلف فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی اسی پس منظر میں نظم قرآن کی قدر وقیمت کو اجاگر کرتے ہوئے، مولانا امین احسن اصلاحی بجا طور پر رقم طراز ہیں:

"ہر شخص جانتا ہے کہ اس ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی قرآن مجید کی حبل اللہ المتین کے ذریعے ہوئی ہے اور تمام مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سب مل کر اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں اور متفرق نہ ہوں۔ اس ہدایت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ ہمارے درمیان جتنے بھی اختلاف پیدا ہوں ہم ان کے فیصلے کے لئے رجوع قرآن کی طرف کریں لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ خود قرآن کے بارے میں ہماری رائیں متفق نہیں ہیں۔ ایک ایک آیت کی تاویل میں نہ جانے کتنے اقوال ہیں اور ان اقوال میں سے اکثر ایک دوسرے سے متناقض ہیں لیکن کوئی چیز ہمارے پاس ایسی نہیں ہے جو یہ فیصلہ کر سکے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول حق ہے کسی کلام کی تاویل میں اختلاف واقع ہو تو اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے سب سے زیادہ اطمینان بخش چیز اس کا سیاق و سباق اور نظام ہی ہو سکتا ہے۔"[۱]

اسی وجہ سے قرآن کی متعدد آیات میں ہمیں واضح طور پر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہم اپنے اختلافی امور میں خواہ ان کا تعلق معاشرت سے ہو یا معیشت سے، عبادت سے ہو یا سیاست سے، قرآن کی طرف رجوع کریں[۲] لیکن اگر آیات کی تفہیم میں ہی اختلاف پایا جاتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے یہ مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ فراہی کو اس مسئلے کی سنگینی کا احساس اس وقت شدت سے ہوا جب علی گڑھ کالج میں قیام کے دوران ان کی نظر سے سرسید علیہ الرحمہ کی تفسیر کے بعض ایسے اجزا گزرے جن کے بارے میں انھیں اندازہ ہوا کہ وہ من مانی تاویلات کے حامل ہیں[۳] علامہ نے ان میں من مانی تاویلات کے رد میں ہر چند کہ کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن وہ اسی زمانے سے ان اسباب وعلل پر غور وخوض کرنے لگے جن کی اساس پر اس طرح کی من مانی

تاویلات شعوری اور بیشتر حالات میں غیر شعوری طور پر راہ پاجاتی ہیں۔ امر واقعہ خواہ کچھ بھی ہو، ان میں من مانی تاویلات کے اثرات ہماری عملی زندگی میں کتنی خطرناک صورتوں میں ظاہر ہوئے ہیں اس کا اندازہ ان اہل علم کو بخوبی ہے جنھیں مسلمانوں کی تاریخ سے معمولی سی بھی واقفیت ہے۔

ان من مانی تاویلات کے سدباب کے لئے علامہ نے قرآن حکیم کی آیات پر تدبر و تمحص کیا تو وہ بہت جلد اس نتیجہ پہ پہنچ گئے کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار وافتراق کی ایک بہت بڑی وجہ نظم قرآن کی طرف سے عدم التفات ہے۔ ایک ایسا نظم جو اس امر کی انتہائی کم گنجائش رکھتا ہے کہ قرآنی آیات کو مختلف معانی اور مختلف احتمالات کا مظہر بنا دیا جائے۔[۱۲] نظم قرآن کا یہی وہ پہلو تھا جس کو علامہ نے ملت اسلامیہ کے اتحاد واتفاق کے لئے ایک نسخہ کیمیا قرار دیا اور جس پر وہ زندگی بھر غور وخوض کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی قیمتی تحریروں کے ذریعہ دوسروں کو بھی اس پر تفکر و تدبر کی دعوت دیتے رہے ان کی اس طرح کی کوششوں کا ماحصل یہ تھا کہ قرآن کا مطالعہ ہر طرح کے ذہنی تحفظات اور گروہی میلانات سے پاک صاف ہو کر کیا جائے اور اسے ایک ایسا کلام سمجھا جائے جو اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے انتہائی منظم اور مربوط ہے اور اپنے اسلوب نیز طرز بیان کے لحاظ سے انتہائی منسق و مرتب ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھے بغیر امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کس طرح ممکن ہو سکے گی اور کس طرح وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۳) پر عمل ہو سکے گا۔

آیات بینات کے سیاق وسباق سے ان کے حقیقی مفاہیم کے تعین کی کوششیں ہماری تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ہوتی رہی ہیں۔ بنا بریں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور علماء عظام نے انتشار و بحران کے زمانہ میں خواہ وہ بحران سیاسی ہو یا علمی فَفِرُّوا إِلَى اللّٰهِ (الذاریات: ۵۰) پر عمل کرتے ہوئے قرآن کو ترجمان بنایا ہے اور اسی کے ذریعہ ہی افراد امت کو سلک اتحاد و اتفاق میں پرونے کی کوشش کی ہے اس سلسلے میں ہم میں سے شاید و باید ہی کوئی اس حقیقت سے ناآشنا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے کتاب الٰہی کافی ہے۔ خلیفہ ثانی کا یہ قول غماز ہے کہ اس سچائی کا جس

کے تحت ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ وایمان ہے کہ ہمارے جملہ اختلافات وتنازعات کا حل کتاب الٰہی میں موجود ہے۔ قرآن کا اس ضمن میں خود یہ ارشاد ہے کہ

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (البقرہ: ۲۱۳)	اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

بعد کے ادوار میں بھی جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ مسلمانوں کو پیش آیا جس سے ان کی صفوں کے اندر سیاسی، اجتماعی یا فکری انتشار کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو ارباب عقل وایقان نے بدون تاخیر اللہ تعالیٰ کے اس حکم

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ (النساء: ۵۹)	پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس کو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف۔

پر عمل کرتے ہوئے قرآن کی طرف رجوع کیا اور کامیابی کے ساتھ پیش آمدہ فتنہ سامانیوں کا قلع قمع کر دیا۔ عہد فاروقیؓ میں سواد عراق کے مفتوحہ علاقوں کی ملکیت کے بارے میں جب صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہو تو ایسے اہم اور نازک مسئلے میں جس کے اثرات انتہائی دوررس ہو سکتے تھے قرآن کی صرف ایک آیت (سورۃ الحشر: ۶-۱۰) قول فیصل ثابت ہوئی اور ہماری تاریخ کے اوراق بے شمار ایسے واقعات سے بھرے ہیں جن میں مسلمان قرآن حکیم کی بدولت شماتت اعداء، نیز اسلام مخالف قوتوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود ہر طرح کے سیاسی، فکری، معاشرتی اور اخلاقی انتشار سے محفوظ رہے ہیں۔

عہد عباسی کے دوران جب دنیا کی مختلف زبانوں کے علوم وفنون نیز فکر وفلسفہ کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالا گیا تو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ذہنی انتشار کا شکار ہو گیا افکار وخیالات کے ایسے بحرانی دور میں مسلمان مفکروں، مدبروں اور دانشوروں نے قرآن کی العروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور انجام کار ان کے عقائد وافکار پر یونانی منطق وفلسفہ اثر انداز نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں مفسر قرآن امام فخر الدین رازی کا درج ذیل قول انتہائی معنویت کا حامل ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

لقد اختبرت الطرق الکلامیة والمناھج الفلسفیة فلم اجدھا تروی غلیلا ولاتشفی علیلا ورأیت اقرب الطرق طریقة القرآن [۵۵]	میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج کو آزمایا لیکن ان سے نہ تو کسی پیاسے کی پیاس بجھتی ہے اور نہ کسی مریض کو شفا ملتی ہے۔ میں نے یہ پایا کہ قریب ترین طریقہ قرآن کریم کا ہے۔

رازیؒ کے مذکورہ الفاظ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ قرآن کا راستہ انتہائی قریبی اور سہل ہے لیکن بظاہر اس سہل راستہ کو طے کرنے کے لئے جس ژرف نگاہی، جگر سوزی اور جانکاہی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے موہوبہ صلاحیتوں کے حامل کچھ مخصوص افراد ہوتے ہیں۔

ہر ہوسنا کے نہ داند جام وسنداں باختن

کیونکہ یہ وہ امانت ہے جس سے زیر بار ہونے کے لئے آسمانوں، زمینوں حتیٰ کہ پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا۔ (الاحزاب: ۷۲) اور اگر اس سے پہاڑوں کو زیر بار کر بھی دیا جاتا تو وہ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ (الحشر: ۲۱) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اگر انسانوں کو اس کا مکلف بنایا ہے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے برگزیدہ بندوں کو اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی ہے۔ اس توفیقِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ یہ برگزیدہ بندے قرآن کے مفاہیم ومطالب کے سمندر میں غواصی کریں اور تلاش کریں ان مضامین وعناوین کو جو ہماری فکری، سیاسی اور معاشرتی زندگیوں کو اتحاد واتفاق کے دھاگوں میں پرو دیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک ہمارے افکار ونظریات میں انضباط واتفاق کی کیفیت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ہماری سوچ کا رُخ صحیح نہیں ہوگا اسی فکری انتشار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد [۵۶]

اس فکری انتشار سے بچنے نیز ذہنی اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لئے ہمارے پاس ہمارے نبیؐ پر نازل شدہ نسخۂ کیمیا یعنی قرآن مجید ہے۔ وہ قرآن مجید جس کی منجملہ صفات میں سے ایک صفت اللہ تعالیٰ نے "غیر ذی عوج" بتلائی ہے۔ علامہ زرقانی نے اس غیر ذی عوج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلوب قرآن کا ایک بنیادی وصف ترصیع وانسجام ہے۔

اپنے اس خیال کا اظہار علامہ نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

فاذا هو وحدة متماسكة متآلفة على حين انه كثرة متنوعة متخالفة فبين كلمات الجملة الواحدة من التآخر والتناسق ماجعلها رائعة التجانس والتجاذب وبين جمل السور الواحدة من التشابك والترابط ماجعلها وحدة صغيرة متآخذة الاجزاء متعانقة الأيات وبين سور القرآن من التناسب ماجعله كتابا سوى الخلق حسن السمت ۔۔۔۔۔۔۔ فكانما هو سبيكة واحدة تأخذ بالابصار وتلعب بالعقول والافكار۔[۳۲]

قرآنی اسلوب کی اس خصوصیت کا کم و بیش سبھی مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اس خصوصیت کو قرآن کی معجز نمائی کی ایک بڑی دلیل قرار دیا ہے خود قرآن نے اپنی اس خصوصیت کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے اور لوگوں پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس کی آیات کو بڑے شرح و بسط اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک ایسی تفصیل جس میں ناہمواری اور شتر گربگی نہیں ہے اور جس میں دور از کار تشبیہات و استعارات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور جس میں لفظوں کو آبگینوں کے مانند صفحۂ قرطاس پر جما دیا گیا ہے، حقائق کائنات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ہر جملہ نہاں خانۂ دل میں اترتا چلا جاتا ہے بایں ہمہ وجوہ کوئی بھی انسان قرآن کے فصیح و بلیغ اسلوب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتابِ مبین کی بعض ایسی ہی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے محمد اسد لکھتے ہیں:

The Quran has organic unity. No verse can be isolated from the preceding or the following verse.

(قرآن کے اندر ایک ساختیاتی وحدت ہے۔ چنانچہ اس کی کوئی آیت ماسبق یا مابعد سے الگ نہیں ہے۔)[۳۳]

آیتوں اور عبارتوں کے اس حسن تنسیق کے اعتراف کے باوجود مفسرین کی ایک بڑی تعداد قرآن کی تقریباً ہر ایک آیت کے تعلق سے بہت سے اقوال نقل کرتی آئی ہے۔

انجام کار ایک ہی آیت کے ضمن میں کبھی کبھی اتنے اقوال جمع ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا نہ صرف مشکل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ان کا پڑھنے والا یا تو ان کی صحت کے بارے میں تردد میں مبتلا ہو جاتا ہے یا پھر یہ سمجھنے پر خود کو مجبور پاتا ہے کہ کتب تفسیر کی روشنی میں قرآن کے مطالب و معانی پر غور کرنے کا حاصل مزید الجھنوں اور پیچیدگیوں کو دعوت دینا ہے۔ قرآنی ہدایات وارشادات کے حوالہ سے لوگوں کی یہ حیرانگی اور سرگشتگی ہر دور کے عالموں کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنی رہی اور انھوں نے حتی المقدور اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی تاہم ان کی اس طرح کی کوششیں بیشتر حالات میں مزید ایک قول کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوئیں اس صورت حال کی بنیادی وجہ علامہ فراہی کے نزدیک آیات کے سیاق وسباق پر قلت تفکر و تدبر ہے بالفاظ دیگر اگر ہم کسی آیت کے حوالہ سے مختلف اقوال و آرا کو جمع کرنے کے بجائے خود قرآن کے ذریعہ ہی اس کے کسی متعین مفہوم و معنی تک پہنچنے کی کوشش کرتے نیز مختلف مماثل آیات کے تناظر میں اس کا جائزہ لیتے تو ہمارے لئے قرآن کے حقیقی مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہوتی۔ اس ضمن میں علامہ فراہی نے اپنے تجربات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "میں نے اپنی کتاب میں صرف وہی اقوال نقل کئے ہیں جو میری تحقیق پر صحیح اترتے ہیں اور یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، اقوال کی کثرت عموماً لوگوں کو بالکل حیران و درماندہ کر دیتی ہے، بسا اوقات لوگ مجرد اقوال نقل کر دیتے ہیں ان کے دلائل بیان نہیں کرتے، یہ ان اقوال کے کہنے والوں اور سننے والوں دونوں پر نہایت کھلا ہوا ظلم ہے۔ میں نے آیات کے معانی تفسیر کی کتابوں سے نہیں لئے ہیں بلکہ خود آیات پر ان کے سیاق وسباق اور ان کے مماثل کی روشنی میں غور کیا ہے۔"[۵۰]

سیاق وسباق نیز نظم کلام کے ذریعہ کسی متعین اور حتمی مفہوم و معنی تک پہنچنے کا راستہ علامہ فراہی نے صرف اس لئے اپنایا تاکہ وہ ایک طرف خود بھی حیرانگی و انتشار سے بچیں اور دوسری طرف اوروں کو بھی تذبذب نیز پراگندہ فکری سے نجات دلائیں۔ اس طرح کی کوششوں میں احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ جس چیز سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے وہ زمانہ جاہلیت کا ادبی و شعری ذخیرہ

ہے۔وہ ادبی وشعری ذخیرہ جس سے عرب قوم نزول قرآن کے وقت واقف تھی اور جو اس کے لئے سرمایۂ افتخار تھا اور جو ایسے بے شمار کلمات نیز تشبیہات واستعارات کا حامل ہے جن کا استعمال کتابِ الہٰی میں جا بجا ہوا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا ذکر بے محل نہیں کہ کسی لفظ کے کسی خاص مفہوم کے تعین سے قبل ہم پر لازم ہے کہ اس کے سیاق وسباق نیز اس کے مختلف محلات استعمال کو دھیان میں رکھیں۔ ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیں تقریباً ان تمام مقامات ومحلات کی سیر کرنی ہوگی جہاں جہاں اس لفظ کو کسی شاعر یا ادیب نے استعمال کیا ہو یہ ایک انتہائی دیدہ ریزی اور جانکاہی کا عمل ہے۔ لیکن اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اختلاف و انتشار کو انسانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور جو اتحاد واتفاق کے لئے اپنی جملہ صلاحیتوں کو وقف رکھتے ہیں۔

علامہ فراہیؒ نے ملت کے دیگر بیدار مغز دانشوروں کی طرح مسلمانوں بالعموم مسلمان علما، کے درمیان پائے جانے والے اختلاف وانتشار کو ختم کرنے کی غرض سے عربوں کے قدیم ادبی ذخائر کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور پھر اس مطالعہ کی روشنی میں قرآن کے متعدد کلمات نیز تراکیب کو ان کے صحیح تاریخی اور ادبی تناظر میں سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی۔ ان کی اس طرح کی کوشش کا سب سے بڑا ثبوت ان کی تالیف "مفردات القرآن" ہے جس میں انھوں نے ستر سے زائد کلمات کی تشریح وتوضیح قدیم عربی ادب کے آئینے میں اس انداز سے کی ہے کہ قرآن میں ایسے کلمات جہاں جہاں استعمال ہوئے ہیں ان کا مفہوم ومدلول قریب قریب متعین ہو گیا ہے اور اس طرح ان کلمات کے تعلق سے اختلاف آرا، کی گنجائش محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس طرح کی کوشش کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کلمات کے سلسلے میں علماء کے مفسرین کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں اور ان اختلافات کے نتیجے میں ان کے مابین جو بُعد اور دوری پائی جاتی ہے اس کو ختم کر کے اتحاد واتفاق کی راہیں ہموار کی جائیں ہم میں کون اس حقیقت کا منکر ہو سکتا ہے کہ کلمات کے مفاہیم ومعانی کے صحیح تعین کا اثر ہماری زندگیوں یا ہمارے اعمال پر نہیں پڑے گا۔ علامہ فراہیؒ کو اس حقیقت کا اندازہ بخوبی

تھا اور کیوں نہ ہوتا جب ہم سب کے سامنے خدا کے رسولؐ کا یہ انذار موجود ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

انما ھلک من کان قبلکم باختلافھم فی الکتاب [۵۱]	تم سے پہلے کے لوگ کتابِ الٰہی میں اختلاف کے باعث ہلاک ہوئے۔

گویا کتاب یعنی کتاب الٰہی کے مفاہیم و مطالب کا اختلاف و نزاع قوموں کی تباہی و بربادی کا سبب ہے لہذا اس کو معمولی سمجھنا یا اس کو دیگر امور کے مقابلہ میں کم اہمیت دینا ہم سب کے لئے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے۔ بنا بریں ہم پر لازم ہے کہ ہم ایسے تمام وسائل وذرائع کی تلاش جاری رکھیں جن کو بروئے کار لاکر ہم "اختلاف فی الکتاب" جیسی ہلاکت خیز صورت حال سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ علامہ فراہیؒ کی جملہ تفسیری خدمات میرے نزدیک اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ جیسا کہ "مقدمہ تفسیر" میں وہ اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> "پہلے ایک آیت کی تاویل اس کی دوسری آیات سے کرتا ہوں اس کے بعد تبعاً اُس سے متعلق صحیح احادیث کا ذکر کرتا ہوں تاکہ نہ تو ان منکرین ہی کو کسی اعتراض کا موقع ملے جنھوں نے قرآن کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور نہ وہ ملحدین ہی کوئی اعتراض اٹھا سکیں جو ہمارے سر ایسی چیزیں تھوپتے ہیں جن کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان ایک حجت قاطع اور ایک مرکز جامع کی حیثیت سے کام دے سکے [۵۲]"

کسی صاحب ایمان وایقان کو کیا اس بات میں شمہ برابر بھی شک ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کے جملہ نزاعی معاملات میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سلسلے میں یہ خاص ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے اختلافی امور میں اللہ یعنی اس کی کتاب کی طرف رجوع کریں اور اس کی روشنی میں وہ جس فیصلے تک پہنچیں اس پر صدقِ دلی کے ساتھ بغیر چوں چرا عمل کریں۔ درج ذیل آیات میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب: ۳۶)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے روا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیدیں کہ (پھر) ان کو اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب اس آیت کے کسی خاص شان نزول کا ذکر کرکے اس کی افادیت ومعنویت اور فاعلیت کو کسی خاص زمانہ کی حدود میں مقید کردیں۔ لیکن میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا حکم عام اور ہر زمانے کے لئے ہے اور اس کی پابندی ہر ایک کلمہ گو کو اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک کرنی ہے۔ مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم فرمانِ الٰہی کے لفظ لفظ پر نہ صرف ایمان واعتقاد رکھیں بلکہ اپنی عملی زندگی پر بھی صدق دلی کے ساتھ انطباق کریں۔ اس وضاحت کی روشنی میں ہمارا یہ یقین ہونا چاہیئے کہ کوئی بھی صاحبِ ایمان احکام الٰہی نیز فرموداتِ رسولؐ سے کسی طور پر بھی پہلوتہی نہیں کرے گا۔ بنابریں علامہ فراہی کا قرآن کو حجت قاطع اور مرکز جامع قرار دینا منطقی اور لابدی تھا کیونکہ عامۃ المسلمین نیز ان کے مختلف فرقوں کو اتحاد واتفاق کی دعوت اگر کسی راستے سے موثر طور پر دی جاسکتی ہے تو وہ قرآن کا راستہ ہے وہ اس لئے کہ خرابیٔ بسیار کے باوجود آج بھی مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جس کا ایمان کتابِ الٰہی پر نہ ہو اور جو قرآنی تعلیمات وہدایات کو اصولی طور پر اپنی روزمرہ زندگی کے دیگر قوانین وضوابط پر فوقیت نہ دیتی ہو۔

تاہم مسلمانوں کا اس مرکز جامع اور برہان قاطع سے انتفاع واستفادہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم (جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے) خود قرآنی آیات کی تفہیم وتوضیح میں اختلاف آراء کا شکار نہ ہوں اور اگر کبھی کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف پیدا ہوجائے تو اول اول ہم اس آیت کے حقیقی مفہوم ومنشا کو اس کے سیاق وسباق کی روشنی میں متعین کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح اگر کامیابی نہ ملے تو خود قرآن میں ان مقامات کو تلاش کریں جہاں اس آیت کے مضمون کو کسی دوسرے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ قرآن فہمی

کے سلسلے میں بہت سے مفسرین عظام کا یہی طریقہ رہا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ طریقہ زیادہ منطقی اور قرین عقل و قیاس ہے۔ قرآن کا ایک ادنیٰ طالب بھی اس امر کی گواہی دے گا کہ مقدس کتاب الٰہی میں اگر کہیں کسی بات یا واقعہ کا ذکر اجمالی طور پر آتا ہے تو دوسری جگہ اسی بات یا واقعہ کو بقدرِ ضرورت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس ایجاز و اطناب نیز تفصیل و اختصار کا مقصود بظاہر تکرار نظر آتا ہے لیکن ذرا سا غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات یا واقعہ کا اعادہ و تکرار مخصوص موقع و محل کی مناسبت سے کسی خاص مفہوم کے حامل ہیں اور ان سے کسی واقعہ کا کوئی ایسا خاص پہلو مراد ہے جس کا تعین صرف سیاق و سباق کلام کی روشنی میں ہی کیا جا سکتا ہے قرآن فہمی کے اس بنیادی نکتہ کی وضاحت عصر حاضر کے ایک مفسرِ قرآن نے اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں ان الفاظ میں کی ہے:

> "میرا ذاتی تجربہ اور مدتوں کا تجربہ تو یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ایک ہی آیت میں بالکل مبہم نظر آتا ہے، دوسری آیت میں وہ بالکل بے نقاب ہو جاتا ہے اسی طرح ایک جگہ ایک بات کی دلیل سمجھ میں نہیں آتی لیکن دوسری جگہ وہ بالکل آفتاب کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ میں بطورِ تحدیثِ نعمت کے یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے واضح ہوئی ہیں دوسری کسی بھی چیز سے واضح نہیں ہوئی ہیں۔"[۱۱]

قرآنی آیات اگر یونہی اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں تو اعتقادی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کے باب میں مختلف اقوال و آرا، کی گنجائش بڑی حد تک ختم ہو جائے گی اور اس کا اثر ہماری عملی زندگی میں اتحاد و اتفاق کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اس ضمن میں شاید کوئی اس سچائی کا منکر ہو گا کہ ہمارے باہمی تنازعات کی خشتِ اول بالعموم ہمارے ذہنوں میں ہی رکھی جاتی ہے اور اسی خشتِ اول پر بحث و مباحثہ نیز جنگ و جدال کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے بالفاظِ دیگر ہماری فکر اور ہمارے ذہن سے ہی ہر طرح کے انتشار و افتراق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اب اگر اس سوتے کو ہی بند کر دیا جائے تو اتحاد و اتفاق کی راہیں از خود ہموار ہوتی چلی جائیں گی۔ اس سلسلے میں نظم قرآن کی فکر کس قدر

ممدومعاون ثابت ہوگی اس کا اندازہ نظم قرآن کے حوالہ سے ہماری گزشتہ وضاحتوں سے بخوبی ہوتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۵ء، جلد اول ص ۲۱-۲۲۔ (مقدمہ)

۲۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں: الشوریٰ: ۱۰

۳۔ محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی۔ علامہ حمید الدین فراہی۔ پہلی بار۔ مکتبہ الاصلاح، سرائے میر۔ اعظم گڑھ۔ نومبر ۱۹۷۸ء۔ ص ۱۵

۴۔ زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے — غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

یہ شعر بانگِ درا کی نظم بعنوان "تصویر درد" میں ہے۔

یہی چیز ایک دوسری جگہ علامہ کے یہاں اس انداز میں ہے

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پازند

بال جبریل۔ علامہ اقبال۔ کمال پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی (بدون تاریخ) ص ۱۵۔

۵۔ عماد الدین ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ۔ مطبعۃ السعادہ۔ مصر (بدون تاریخ) جلد ۱۳ ص ۵۶

۶۔ علامہ اقبال۔ ضربِ کلیم۔ طارق برقی پریس۔ حیدر آباد دکن (بدون تاریخ) ص ۳

۷۔ محمد عبد العظیم الزرقانی۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن۔ الطبعۃ الثالثۃ۔ دار احیاء الکتاب العربیہ۔ ۱۹۵۳ء۔ جلد ۲ ص ۲۱۲

۸۔ بحوالہ مسلم ورلڈ لیگ (جرنل)۔ جلد ۱۹ ۱۹۹۱ء۔ ص ۲۹۔

۹۔ حمید الدین فراہی۔ تفسیر نظام القرآن (ترجمہ از امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر۔ اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء۔ ص ۷، ۴

۱۰۔ الجامع الصغیر جلد ۳ ص ۵۔

۱۱۔ تفسیر نظام القرآن۔ ص ۳۶۔

۱۲۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور، جلد اول۔ ص ۲۸ (مقدمہ)